AL-AẒWĀ الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 54, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

سرمایہ دارانہ نظام کی ماہیت اور عالمی سیاست پر اس کے اثرات

The Nature of Capitalism and its Impact on Universal Politics

عبدالغفار*

محمد صادق**

Abstract:

Capitalism is one of the contemporary usury economic systems, in which human relations, social pacts and dealings are entirely based on capital. Due to the prevailing ghost of the capital on the society, only capital is the center of all tasks. Under this system, humanity can be disregarded for the protection of political and economic benefits. It is also supported with theoretical views that two great World-Wars were fought among the European investors, where capitalistic benefits were the main goal. There are Europe historians who look military operations in Iraq and Afghanistan as the agenda to occupy natural resources. There is only strong Islamic economic system to fulfill material and spiritual needs of humanity alike, to make this world a place of peace, while its success has been observed in the past by humanity. Considering the importance of topic, in this research article, the essence of capitalism and its ploy over current world-wide politics will be critically examined to reveal a fruitful conclusion.

***Keywords**:* Capitalism; Universal politics; Humanity

موضوع کا تعارف

تاریخِ انسانی میں معیشت کے متعدد نظام معرض وجود میں آئے ہیں، ان میں سے ایک تو وہ حقیقی فطری اور اولیں نظم معاش ہے جو انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ذریعے انسان کو دیا گیا اور اس کے علاوہ بہت سے نظام ہائے معیشت بھی دنیا میں معروف ہیں، مثلاً جاگیر داری، سرمایہ داری، اشتراکیت واشتمالیت اور فاشزم وغیرہ، لیکن ان میں سے جس نظام کو آج اقوام عالم میں عموماً اور یورپ میں خصوصاً قبولیت اور پزیرائی حاصل ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جو موجودہ انسانی آبادی

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، بہاولپور، پاکستان

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، بہاولپور، پاکستان

کی اکثریت پر حاکم ہے ،اسلامی معیشت، جاگیر داری اور اشتراکیت کو اس نے اپنے جبر اور زور بازو کے ساتھ اپنے تئیں ظاہری شکست سے دوچار کر دیا ہے، اسلام کے علاوہ دنیا کے تقریباً اکثر مذاہب اس کا تسلط تسلیم کر چکے ہیں اور بد قسمتی سے مسلم ممالک میں بھی یہی نظام رائج ہے جس کا مطلب یہ کہ مسلم عوام کی اکثریت بھی اس کی زد میں ہے۔

مذکورہ معروضی حالات میں اہل اسلام کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس نظام کی بنیاد، اس کی حقیقت وماہیت اور اس کے نتائج کا گہرائی سے جائزہ لیں تاکہ ان میں اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مقامی اور بین الاقوامی ہمہ قسم کی مشکلات کا فہم حاصل ہو اور وہ اسلامی انفرادی واجتماعی احکام کی افادیت اور ضرورت کو محسوس کر سکیں۔اس مطلوب کے پیش نظر اس مضمون میں سرمایہ دارانہ نظام کو زیر بحث لایا جارہا ہے، اس میں سب سے پہلے ایک معاشی نظام کو وضع کرنے کا فطری مقصد اور اس کی غرض وغایت کا مطالعہ کیا جائے گا، پھر سرمایہ دارانہ نظام کا مفہوم، اس کا مزاج اور اس کے خدوخال پیش کئے جائیں گے، تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ اس نظام میں اپنے معرض وجود میں آنے کے مقاصد کے حصول کی صلاحیت کس قدر اور نااہلی کس قدر ہے اور اس سے انسانی معاشی مقاصد کی تکمیل ممکن ہے یا نہیں اور آخر میں اس کے عالمی سیاسی اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

معاشی نظم وضع کرنے کے مقاصد اور ان کی تکمیل کا معیار

انسان کی معاشی ضروریات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق اور حیات کے تین فطری حقائق ہیں اور انسان اگر ان پر معمولی غور وفکر کرے تو ان میں سے ہر حقیقت سے ایک فطری نتیجہ اخذ ہوتا ہے ۔جن حقائق اور نتائج کی بنا پر معاشی نظام وضع کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

- اول یہ کہ انسان معاشی طور پر ایک لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہے کہ وہ عام طور پر بلوغت کے مرحلے تک پہنچ کر اپنے اندر کسبِ مال اور اس کے تصرفات کی اہلیت پاتا ہے اور عموماً یہ قابلیت پڑھاپے تک خود بخود قائم رہتی ہے، اس دوران اس غیبی قوت میں کئی درجات تک اضافہ در اضافہ کرنا بھی اس کی دست رس میں ہوتا ہے، اس قوت سے وہ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے انسانیت کی اصلاح وفلاح کے عظیم الشان کام سرانجام دے سکتا ہے اور چاہے تو دوسروں کے وسائل چھین کر فساد برپا کر سکتا ہے اور مکر وفریب کے جدید ترین حربے اور چور دروازے اختیار کر سکتا ہے۔ مگر یہ آزادی اپنی کیفیت، مقدار اور وقت کے تینوں اعتبارات سے لامحدود نہیں ہے، اگرچہ اپنے عروج کے وقت غفلت کے نشے میں مخمور انسان اس آزادی کا دوام اور اس کی لامحدودیت محسوس کرتا ہے ،لیکن جلد ہی اس کی فطرت کے بے

شمار نشانات اس پر اس آزادی کے عارضی ہونے اوراس کے محدود ہونے کاراز فاش کر دیتے ہیں۔اس لئے ہر عقلمند انسان کے لئے اس کی محدود آزادی ایک مسلمہ حقیقت ہے جو اس کو یہ باور کرانے کے لئے کافی ہے کہ اس کی یہ مثبت اور منفی نتائج کی حامل قوت آزادی اس کے پاس اس کے خالق کی طرف سے آزمائش ہے اور وہ اس کے مفید استعمال سے اپنے مالک کی رضامندی اوراس کے مفسد استعمال سے اپنے فاطر کی ناراضگی کا مستحق بن جائے گا۔

- دوم یہ کہ انسان ایک لحاظ سے مجبور محض ہے کہ اس کی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی فطرت کے مطابق اس کی غذا، علاج اور اشیائے ضرورت اسے میسر نہ ہوں تو یہ مر جاتا ہے اور بڑھاپے کے آخر میں یا زندگی کے کسی موڑ پر اس پر ایسا وقت ضرور آتا ہے کہ غذا، علاج اور ضروری سامان کی وافر مقدار کے باوجود یہ ایک ان دیکھی دنیا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور معاشی اسباب کی بہتات اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاپاتی، اس سے ادنی عاقل انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ انسان جو بظاہر اس دنیا کا بے تاج بادشاہ معلوم ہوتا ہے وہ خود اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہے اور کسی ان دیکھی، طاقتور اور قابض قوت کا مرہون منت ہے۔
- تیسری فطری معاشی حقیقت یہ ہے کہ تمام انسان اپنی معاشی قوت واختیار میں یکسانیت نہیں رکھتے بلکہ ان کے مابین ذہنی، جسمانی اور وسائلی اہلیت میں بیّن تفاوت ہے جبکہ کچھ انسان کسب معاش میں نہایت کمزور اور بعض اس قوت سے بالکل محروم بھی ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر معاشی برتری حاصل کرتے ہیں، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ انسانی مختلف افراد وطبقات کا یہ تفاوت اپنی ایک ہی نوعیت پر قائم رہتا ہو بلکہ طبقات کی نسل در نسل بسیار کوشش کے باوجود اس کی نوعیت میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اور وقت کے ساتھ غالب افراد اقوام مغلوبیت میں اور مغلوب لوگ غالبیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اس متفاوت معاشی صلاحیت کے وجود سے مذکورہ بالا بیان کردہ انسانی آزمائش کی تکمیل ہوتی ہے، کیونکہ اگر تمام انسان آزادانہ صلاحیتوں میں برابر ہوتے تو انسانی حیات و معاش اوراس کی کیفیات میں تنوّع نہ ہوتا اور انسان کی بھرپور آزمائش نہ ہو سکتی، لیکن موجودہ صورت حال میں وقت اور زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ انسان کی اقتصادی قوت میں دو طرح کی تبدیلی رونما ہوتی ہے، اس میں سے پہلی تبدیلی اس کی نوعیت کی کمی یا زیادتی کا فرق

ہے اور اس کی دوسری تبدیلی اس کے حاملین افراد واقوام کے تبدیل ہونے کا فرق ہے اور اس طرح ہر زبردست اور زیردست فرد اور طبقہ اپنے مقام اور اپنی نوعیت میں آزمایا جاتا ہے۔ اور یہ تمام باتیں ایک طرف فاطر حقیقی کی ملکیت، بادشاہت اور معبودیت پر اور دوسری طرف مجموعی طور پر انسان کی مغلوبیت، عبودیت اور اس کی آزمائش پر غمازی کرتی ہیں۔ واضح رہے کہ ان طبعی و فطری حقائق کی بنا پر انسانی سماج کے لئے نظام معیشت وضع کئے جاتے ہیں اور اس سے وضع نظام کے تین اہداف سامنے آتے ہیں:

1. اول یہ کہ زیادہ ذہن، زیادہ طاقت اور زیادہ وسائل رکھنے والے افراد اور اقوام کو معاشی قوانین کے ذریعے دولت کی پیدائش، استعمال، تبادلہ اور تقسیم میں اپنی حدود تک محدود رکھتے ہوئے ان کو ہر قسم کے مالی تجاوز سے روکا جائے۔
2. دوم یہ کہ ہر فرد کی ذاتی اور سماجی دائروں کے حساب سے دولت کے مذکورہ بالا چاروں میدانوں میں اس کی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے۔
3. سوم یہ کہ اس نظام کے قواعد وضوابط میں معاشی قوت میں کمزور اور وسائل سے محروم افراد کے حقوق کا مکمل تحفظ ملحوظ رکھا جائے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی بھی نظام معیشت کے لئے اس کے ضوابط اور لائحہ عمل میں مذکورہ بالا معاشی اہداف کا حصول ملحوظ رکھنا ضروری ہے تو اس حوالے سے ایک نظام کے مقاصد کی تکمیل کا معیار انھیں امور کے حصول پر ہی منحصر ہو گا، اس لئے اگر اس کے برعکس ایک نظام اپنے دائرہ کار میں ان مقاصد کو مخدوش کر دیتا ہے یا ایک نظام محض ظاہری اور تحریری طور پر ان مقاصد کو تسلیم کرتا ہو لیکن اس کے منتظمین اپنی چالاکی اور مروجہ طرز عمل سے اس نظام کو اپنے مقاصد سے دور کر کے اسے معاشرے کے طاقتور افراد کی حمایت میں ڈھال دیں تب بھی وہ نظام ناکارہ اور انسانیت کے لئے مصائب وآلام اور مفسدات کا موجب بن جاتا ہے تو پھر وہ اس کے لائق ہی نہیں ہوتا کہ اسے معاشی نظام کا نام دیا جائے بلکہ اسے نظام فاسد کہنا چاہئے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اساس، تعارف اور اہداف کے حصول کی حیثیت

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ایک برطانوی فلسفی اور ماہر اقتصادیات ایڈم سمتھ (1723ء تا 1790ء) نے رکھی۔ عصر حاضر میں جس معاشی نظام کو سرمایہ دارانہ کا نام دیا جاتا ہے وہ ایک وسیع تر منظم اجتماعی شکل ہے جس کا آغاز یورپ میں بورژوا طبقہ یعنی ساہوکاروں، سوداگروں اور صناعوں کے ہاتھوں، جاگیرداری نظام کے خاتمے پر

ہوا۔ اور اس کی موجودہ شکل عیسائیت کی شکست کے بعد سامنے آئی ہے، کیونکہ عیسائی علماء کی من مانی دینی تعبیرات اور وحشیانہ تشدد نے عام افراد کو مذہب سے باغی کر دیا جس کے نتیجے میں پروٹسنٹ تحریک منظر عام پر آگئی۔ اس تحریک نے تین بنیادی اقدار آزادی، مساوات اور عقلیت کو جنم دیا جس کے نتیجے میں ریاست پر سے مذہب کا لبادہ اتار دیا گیا، خدا کی جگہ انسان نے لے لی۔ کتاب مقدس میں بیان کردہ انسانوں کے باہمی تعلقات کے متعلق احکامات عملی زندگی سے خارج کر دیے گئے اور خیر و شر کا تعین رائے عامہ کے ذریعے ہونے کی وجہ سے موجودہ جمہوریت کی شکل نمودار ہو گئی۔

تحریک احیائے علوم کے فروغ سے علوم و فنون کے میدان میں ایک ایسی ہمہ گیر ترقی وجود میں آئی جس کے نتیجے میں مغرب نے تجارت اور انکشافات کی دنیا میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ ایک طرف اپنی معاشی ترقی کے گراں قدر وسائل دستیاب ہوئے دوسری طرف انہوں نے اس ترقی کے عمل کو فروغ دینے کے لیے پیداواری وسائل خاص طور پر سرمائے کی ضرورت و اہمیت کو نمایاں کر دیا۔ یوں عملی پیدائش اور اشیاء کی اندرونی و بیرونی منڈیوں میں فروخت کے انتظامات کو منظم کرنے کے لیے نئے اداروں کا وجود ناگزیر ہو گیا۔

اس سارے عمل کا محور چونکہ صرف سرمایہ تھا اس لیے اس نظام عمل کو سرمایہ دارانہ نظام کہا جانے لگا۔ اٹھاروں صدی عیسوی کے صنعتی انقلاب تک یورپ میں یہ نظام اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا اور اس نظریے کے عام ہونے سے اسے حکومتی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ بیسویں صدی کے آغاز تک یہ نظام امریکہ اور مغربی یورپ تک اپنے نقطہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ پوری قوموں کی نو آبادیاتی توسیع کے زمانے میں اس نظام کی حدود میں بے انتہا وسعت پیدا ہوئی۔ سوائے چند اشتراکی ممالک کے دنیا کے باقی تمام ممالک پر اس کا تسلط قائم ہو گیا۔ جنگ عظیم دوم سے لیکر موجودہ دور تک یہ معاشی نظام امریکہ، انگلستان، مغربی جرمنی اور جاپان میں بدستور قائم ہے۔[1]

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں پیدا ہونے والے عالمی معاشی بحران کے بعد بعض ممالک میں اس نظام کے اندر چند تبدیلیاں کی گئیں۔ معاشی معاملات میں حکومت کے عمل دخل کو وسعت دیتے ہوئے ایک طرح کی مخلوط معیشت کو رواج دیا گیا۔ جس میں نجی شعبے کے ساتھ بعض معاشی شعبوں کو حکومتی تحویل میں دے دیا گیا۔ اشتراکی نظام کی پیش قدمی کا سدباب کرنے کے لیے مزدوروں کے حقوق کے تحفظ اور لوگوں کے فلاح و بہبود کو اہمیت دی جانے لگی۔ لیکن ان تمام اقدامات کے باوجود اس نظام کے نتائج و ثمرات میں ماضی کی نسبت کچھ زیادہ

فرق واقع نہیں ہوا۔ دولت کی غیر عادلانہ تقسیم، ارتکاز دولت، بے روزگاری، معاشی بحرانوں کا ظہور اور غربت و افلاس کا روگ ابھی تک اس نظام کو لگا ہوا ہے۔

کسی بھی معاشی نظام کی جامع تعریف ایک نہایت ہی مشکل کام ہے تاہم بعض مفکرین نے اس نظام کی اپنے انداز میں تعریف کی ہے۔ ذیل میں نظام سرمایہ داری کی چند تعریفات درج کی جاتی ہیں جن سے سرمایہ دارانہ نظام کی نوعیت نمایاں ہو جاتی ہیں۔The New Encyclopedia Britannica میں اس کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"Capitalism is also called free market economy or free enterprises economic system, dominant in the Western World since the breakup of feudalism, in which the most of production means are privately owned and income distributed through the operation of markets."[2]

Webster's New World College Dictionary میں سرمایہ دارانہ نظام کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے۔

"وہ معاشی نظام جس میں ذرائع پیداوار مثلاً کارخانے، سڑکیں اور زمین وغیرہ ذاتی ملکیت میں ہوتے ہیں اور حصول نفع کی خاطر انہیں استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس نظام کی ابتدا میں یہ تمام سرگرمیاں مقابلے کے حالات میں طے پاتی ہیں جس کے نتیجے میں ارتکاز دولت کے رجحان کو تقویت مل گئی لیکن بعد میں بڑے بڑے کاروباری ادارے پیدا ہو گئے اور سرکاری مداخلت بھی بڑھ گئی۔"[3]

Merit Student Encyclopedia میں سرمایہ دارانہ نظام کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"اس سے مراد وہ معاشی نظام ہے جس میں ذاتی ملکیت کے حقوق عوام کو حاصل ہوتے ہیں۔ پیداوار اور سرمایہ کاری کے متعلق فیصلے بھی نجی افراد کرتے ہیں۔ اشیاء کی پیداوار اور ان کی بازار میں فراہمی حصول نفع کی خاطر ہوتی ہے۔ اس نظام کے تحت اشیا یا خدمات کا تعین طلب و رسد کے آزادانہ باہمی عمل اور رد عمل سے ہوتا ہے۔"[4]

مذکورہ بالا تعریفات پر غور و فکر کرنے سے سرمایہ دارانہ نظام کے مندرجہ ذیل بنیادی عوامل اور نتائج سامنے آتے ہیں:

1. حق ملکیت: اس نظام میں عوام کو سرمایہ اور ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کا حق حاصل ہے۔

2. حریت استعمال: عوام کو سرمایہ اور ذرائع پیداوار کے استعمال کی بلاقید مکمل آزادی حاصل ہے، تاکہ عیش کوشی، اسراف اور تبذیر کو پروان چڑھایا جاسکے۔
3. حریت حصول نفع: ذرائع پیداوار کے استعمال سے عوام کو ہر طرح کے کاروبار اور حصول نفع کے جائز اور ناجائز تمام ہتھکنڈے اختیار کرنے کا قانونی حق دیا گیا ہے، تاکہ سود، جوا، سٹہ اور ناجائز اجرت و منافع خوری کے مراکز قائم کرکے جدید مقامی اور عالمی مالیاتی اداروں کو فروغ دیا جاسکے۔
4. مسابقانہ طلب و رسد: کاروباری طبقات اور صارفین کے اشتراک عمل سے طلب و رسد کے مسابقانہ طرز عمل کے نام پر مالدار افراد اور گروہوں کو ترقی کے لامحدود مواقع دیئے گئے۔
5. اخلاق و مذہب اور حکومت کی عدم مداخلت: دولت کی پیدائش، صرف، تقسیم اور تبادلہ میں اخلاقی، حکومتی اور مذہبی حلت و حرمت کے ضوابط کی مداخلت کی مکمل ممانعت کر دی گئی۔
6. لادین جمہوریت کا تعاون: چونکہ ایسے معاشی نظام کو جدید لبرل جمہوری سیاست کے سواء کوئی حکومت راس نہیں آسکتی تھی اس لئے سرمایہ داری کے لئے مغربی جمہوری نظم سیاست اور آزاد عدلیہ کی معاونت کا موجود ہونا لازم قرار پایا۔

اس لئے کارل مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کی وضاحت یوں بیان کی ہے کہ "سرمایہ دارانہ نظام سے مراد اشیا و خدمات کی پیداوار کا ایسا نظام ہے جس میں بنیادی طور پر دو طبقوں کے پیدا کنندگان شامل ہوتے ہیں۔ ایک سرمایہ دار جن کی ملکیت میں ذرائع پیداوار ہوتے ہیں۔ فنی طریق پیدائش، اشیاء کی فروخت کے متعلق بنیادی نوعیت کے فیصلے ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ دوسرے مزدور جنہیں کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی لیکن وہ اپنی محنت اجرت کے بدلے ان شرائط پر فروخت کرتے ہیں جس کا انحصار تلاش روزگار کے لیے ان کی تعداد اور ان کی خدمات کی طلب پر ہوتا ہے۔"[5]

سید ابوالاعلیٰ مودودی سرمایہ دارانہ نظام کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "اصول یہ ہے کہ اپنی ضرورت اصلی سے زائد وسائل معیشت جو کسی انسان کے قبضے میں آگئے ہوں وہ ان کو جمع کرتا جائے اور پھر انہیں مزید وسائل معیشت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرے۔ زائد از ضرورت وسائل معیشت کو مزید وسائل پر قابض ہونے کے لیے استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ انہیں سود پر قرض دیا جائے دوم یہ کہ انہیں صنعتی اور تجارتی مصرف میں لایا جائے۔ دونوں طریقوں کے مشترک عمل کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ سوسائٹی دو طبقوں

میں تقسیم ہو کر رہ جاتی ہے اور یوں انسانی معاشی نظام جس کو فطرت نے مبادلہ پر قائم کیا تھا محاربہ پر مشتمل ہو کر رہ جاتا ہے۔"[6]

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔"در حقیقت سرمایہ دارانہ نظام شخصیت، معاشرت اور ریاست کی وہ تنظیم ہے جو اللہ رب العالمین، انبیاء اور شریعت سے انسانی آزادی کا حصول ممکن بناتی ہے"۔[7]

مذکورہ بالا توضیحات کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسا معاشی سسٹم ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت ہوتا ہے اور سرمایہ کار اپنی معاشی اجارہ داری کی بناء پر حصول نفع کی خاطر اسے جیسے چاہے استعمال کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔ اس نظام میں سرمایہ دار اپنی اجارہ داری قائم کر لیتا ہے جس کے نتیجے میں دولت چند خاندانوں میں محبوس ہو جاتی ہے اور معاشرے میں امیر و غریب اور محنت کار و سرمایہ دار کا فرق بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انسانی تاریخ کا مشاہدہ ہمارے اس مؤقف کی پوری پوری تائید کرتا ہے، مثلاً ہر انسان اپنی زندگی کے تحفظ اور ارتقاء کی خاطر بھوک اور اس کو مٹانے کے ضابطے لے کر پیدا ہوا ہے۔ یہ ضابطے معاشی سرگرمیوں کو جنم دیتے ہیں۔ پیٹ کا ایندھن پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مالی آسائشیں اور خود نمائی کی خواہش بھی اس کے مزاج کا حصہ ہے اور سرمایہ داری میں انخصوصیاتکی کوئی حد بندی بھی نہیں کی جاتی، یہی وجہ ہے کہ وہ خوراک کے مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ مالی آسائشوں کی فراہمی کے لیے بڑھ چڑھ کر محنت کرتا ہے اور یہ انداز فکر و عمل اس کو عیش پرستی اور خود نمائیکی طرف لے جاتا ہے اوراس طرح وہ اپنی ان خواہشات کی تکمیل کے لیے دوسروں کی ضروریات زندگی پر دست درازی کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور یہیں سے آزادانہ منفعت کانقطہ نظر اجارہ داری میں بدل جاتا ہے۔

انسانی تاریخ میں نمرود، فرعون، چنگیز خان، ہلاکو خان، مسولینی، ہٹلر، برطانوی تاریخ میں بلڈی کوئین ،بش ثانی یہ سب انسان کے اس مزاج کی غمازی کرتے ہیں جو ذہانت وطاقت کے بل بوتے پر اپنے معاشرے میں معاشی اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں اور یہ معاشی تسلط ان کے لئے سیاسی اجارہ داری کی راہ ہموار کر دیتا ہے اور یہی بے دین سیاسی اور معاشی کٹھ جوڑ عصر حاضر کا سرمایہ دارانہ نظام کہلاتا ہے۔

حقیقت میں یہ طرز فکر اور معاشی و معاشرتی فساد انسانی تاریخ کے ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ قرآن مجید نے مذکورہ بالا طرز فکر کے نمائندے کے طور پر قارون کا کردار پیش کیا ہے جو نبوی خاندان یعنی بنی اسرائیل کا فرد ہونے کے باوجود اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کے لیے فرعونی طاغوت کا ساتھ دیتا تھا اور اس نے

حضرت موسیٰؑ کی معاشی وسیاسی طور پر پسے ہوئے افراد کی بحالی کی تحریک کی بھرپور مخالفت کی۔ اس نے مال و دولت کے اتنے بڑے خزانے جمع کر لیے جن کی کنجیاں ایک بڑی جماعت کے لیے اٹھانا بھاری تھیں۔ جب اس سے کہا گیا کہ وہ معاشرے کے کمزور اور نادار افراد کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنے مال میں سے کچھ حصہ نکالے تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ یہ مال و دولت اس کے اپنے علم و تدبیر کا ثمرہ ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس کے اس طرز عمل سے معاشرے میں فساد اور شر پھیل رہا تھا مگر وہ اپنے کثرت مال و اسباب کے غرور اور نمائش میں مستغرق رہا یہاں تک کہ اللہ نے اسے عذاب میں گرفتار کیا اور وہ اپنے مال و اسباب سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے موجودہ عالمی سیاست پر اثرات

سرمایہ دارانہ نظام اور موجودہ جمہوری نظام دونوں آپس میں جڑواں بہن بھائی ہیں کیونکہ کوئی بھی معاشی نظام جمہوریت کے بغیر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ موجودہ دور میں سیاست میں حصہ لینے کے لیے کافی مقدار میں سرمایہ درکار ہوتا ہے جسکے باعث غریب اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کا سیاست میں حصہ لینا ممکن نہیں ہوتا ۔عصر حاضر کے سیاستدانوں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ بھرپور سرمائے کے مالک ہیں اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیاست میں آنے والے سرمایہ داروں کا سیاست میں آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ حکومت میں شمولیت اختیار کر کے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ایسی پالیسیاں تشکیل دیں جن سے ان کے سرمائے میں اضافہ ہو سکے۔

موجودہ دور کے سرمایہ دار سیاستدانوں کے حکومتی خزانوں سے لوٹ مار کر کے اپنے سرمائے کو بڑھانے کے واقعات بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ دولت و اقتدار کا نشہ دنیادار انسانوں کو راہ حق و صداقت سے دور کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ضعیفوں، غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ سرمایہ دار اور مقتدر لوگ اقتدار پر اپنے تسلط کی وجہ سے قومی محنت کا ثمر اپنی تجوریوں میں بھر لیتے ہیں جبکہ کمزور طبقہ تن پروری کے لیے روٹی، تن پوشی کے لیے چیتھڑوں اور سر چھپانے کے لیے جھونپڑیوں تک سے محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ کفالت عامہ، معاشی ترقی، اور تقسیم دولت میں تفاوت میں کمی لانا ریاست کی معاشی ذمے داریوں میں شامل ہے۔[8] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سرمایہ دارانہ نظام اور موجودہ جمہوری نظام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے۔

> "جب اٹھارویں صدی عیسوی میں نظام سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کو متعارف کروایا گیا تو اس وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال تھا اسے دنیا میں انسانی ترقی کے لیے حرف آخر سمجھا

جاتا تھا۔لوگوں کا خیال تھا کہ اگر حیات انسانی کے لیے کوئی نظام مفید ہو سکتا ہے تو بس وہ یہی نظام سرمایہ داری اور مغربی جمہوریت ہے لیکن اب وہ وقت بھی آ گیا ہے جب ساری دنیا یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اس نظام نے زمین کو ظلم وجور سے بھر دیا ہے۔"[9]

عالمی سیاسی منظر نامے پر نگاہ دوڑانے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دوسری جنگ عظیم تک برطانیہ دنیا کی سپر پاور سمجھا جاتا تھا جبکہ جرمنی اور فرانس وغیرہ طاقتور یورپی ممالک تھے لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی دنیا کی قیادت امریکہ کے پاس چلی گئی۔ سوویت یونین کے ٹوٹ جانے کے بعد اب دنیا کی سپر پاور امریکہ کو سمجھا جاتا ہے جس کی معیشت پورے عالم اسلام سے آٹھ گنا بڑی ہے۔ امریکہ اپنے دفاع پر پورے عالم اسلام سے دس گنا زیادہ خرچ کرتا ہے جبکہ پوری دنیا کے دفاعی اخراجات کا پینتالیس فیصد اکیلا امریکہ خرچ کرتا ہے۔ نیز امریکہ دنیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے اپنی خفیہ ایجنسیوں پر سالانہ 77 ارب ڈالر خرچ کرتا ہے۔[10] وار سا پیکٹ ختم ہو چکا ہے اور اس کے کئی ممبر نیٹو میں شامل ہو چکے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک دنیا پر اپنی بالا دستی قائم رکھنے کے لیے مختلف بین الاقوامی ادارے مثلاً ورلڈ بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے ادارے اس طرز پر تشکیل دے چکے ہیں کہ دنیا بھر کے ذرائع اور وسائل کو کھینچ کھینچ کر اپنے پاس جمع کر سکیں نیز یہ کہ ریاست، سیاست، معاشرت اور فرد کا مرکز و محور ان کی زیر دستی اور فرمانبرداری کے اور کچھ نہ ہو۔ ایک مغربی مفکر نے بین الاقوامی سطح پر طاقت کی اہمیت کا اظہار ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔

"سیاسیات کا تعلق قوت و اختیار میں تفوق سے ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں قوت کا مطلب ایک عامل کی دوسرے عامل کے طرز عمل کو متاثر کرنے کی اہلیت ہے خواہ دونوں طرف عمل حکومت ہو یا کوئی اور۔ بین الاقوامی برتری کا مطلب ہے کہ ایک حکومت یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ بہت سے دوسرے عاملین کے بہت سے معاملات میں نسبتاً زیادہ اثر انداز ہو سکے۔ قوت کی وہ مقدار جو ایک عامل کو حاصل ہے وہ وزن کا کردار، میدان کار اور حلقہ اثر ہے"۔[11]

جنگ عظیم دوم کے بعد لیگ آف نیشنز کے خاتمے کے ساتھ 24 اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کا قیام باقاعدہ عمل میں اس لیے لایا گیا تاکہ انسانیت کو مستقبل میں قتل وغارت اور خطرناک جنگوں سے بچایا جائے۔[12] لیکن UNO انسانیت کو جنگوں اور جھگڑوں سے بچانے میں انتہائی ناکام رہی ہے۔ اسکی پچھتر سالہ زندگی میں سینکڑوں ملین لوگ آپس کے تنازعوں اور جنگوں کے باعث ہلاک ہو گئے ہیں۔ اقوام متحدہ امریکہ سمیت تمام سرمایہ دارانہ نظام کے حامل مغربی ممالک کی لونڈی نظر آتی ہے جس کی تمام سرگرمیاں مذکورہ ممالک کے مفاد کے گرد گھومتی دکھائی

دیتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے چہرے پر سب سے بڑا بد نما دھبہ سرمایہ دار طاقتوں کے ہاتھوں میں ویٹو پاور کا حق دینا ہے۔ جبکہ اسکے دفعہ نمبر 2 کی شق 2-4 کے مطابق تمام اراکین کو مساوات کا حق حاصل ہے۔ انڈیا کشمیر کے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہ کر کے آرٹیکل 99 اور 134 کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ اسرائیل نے بیسیوں مرتبہ قراردادوں کی خلاف ورزی کی مگر اسکے خلاف کوئی ایکشن نہ ہوا۔ آرٹیکل 7 کی رو سے اقوام متحدہ کو کسی ممبر کے دفاع کے لیے جارح ریاست کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا اختیار حاصل ہے لیکن بوسنیا، کوسوو اور فلسطین کے متعلق اس نے اپنا کردار ادا نہ کیا۔

آئی ایم ایف کا قیام بھی دوسری جنگ عظیم کے بعد 1944ء میں بین الاقوامی اقتصادیات میں توازن قائم رکھنے کی غرض سے عمل میں لایا گیا تھا۔ آئی ایم ایف پر بھی امریکہ کا ہمیشہ اثر ورسوخ رہا ہے کیونکہ وہ اس میں 17 فیصد شرح ووٹ کا حصے دار ہے جو سب سے زیادہ ہے۔ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں اور دونوں بریٹن ووڈز کانفرنس جولائی 1944ء کی پیداوار ہیں۔ ان دونوں کا ایک ہی صدر رہوتا ہے جس کا تعلق امریکہ سے ہوتا ہے۔ آئی ایم ایف کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے مشرقی ایشیا میں 1997ء کا کرنسی بہران اتنی شدت اختیار کر گیا کہ بقول مہاتیر محمد لوگوں کے کئی ٹریلین مالیت کے اثاثے تباہ ہو گئے۔ کئی جگہوں پر جانی نقصان ہونے کے ساتھ کئی حکومتوں کے تختے الٹ گئے۔[13] وسیع قدرتی وسائل سے مالا مال اسلامی ملک انڈونیشیا کی سوہارنو حکومت کو بھی 1998ء میں آئی ایم ایف کے مطالبات پر عمل کرنے کی وجہ سے ختم ہونا پڑا۔ آئی ایم ایف کے بارے میں سابق وزیر اعظم ملائیشیا نے اپنے خیالات کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

> "مسئلے کی اصل بنیاد آئی ایم ایف نہیں بلکہ اسکے پیچھے وہ غلط طریقہ کار ہے جنکے ذریعے بیمار معیشتوں کی بحالی کا کام لیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آئی ایم ایف کے تجویز کردہ مشوروں پر عمل کرنے سے ایسے نا مساعد حالات پیدا ہو جاتے ہیں جنکی درستگی کے لیے سالوں کی کئی دہائیاں درکار ہوتی ہیں اور یہ بھی تب ممکن ہو سکتا ہے کہ اسکے تجویز کردہ حل پر عمل کرنے سے ہاتھ کو روک لیا جائے۔"[14]

عالمی برادری کا ایک اہم مالیاتی ادارہ ورلڈ بنک ہے جس کا آغاز 1946ء میں ہوا۔ ورلڈ بنک اقوام متحدہ کی ایجنسی برائے ترقیاتی پروگرام کی انتظامی ایجنسی کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس لیے اقوام متحدہ ترقیاتی پروگرام شروع کرنے سے پہلے ورلد بنک سے مکمل سروے رپورٹ طلب کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے نومبر 1947ء کو ورلڈ بنک سے مالی معاملات کا معاہدہ کیا۔ ورلڈ بنک کے حصص متعلقہ ممالک کے لیے مختص ہیں۔ امریکہ کا حصہ سب سے

بڑا ہے جسے 16.40 فیصد ووٹوں کا اختیار ہے۔ بنک کا صدر بھی امریکی ہوتا ہے۔ عالمی بنک کی پالیسی امریکی خارجہ پالیسی کے عین مطابق ہوتی ہے۔ ورلڈ بنک کے ذریعے معیاری شرح سود پر قرض فراہم کیا جاتا ہے۔ پھر معاشی استحکام کے بہانے ایسے طبقے کو اقتدار میں لایا جاتا ہے جو قرضے میں ملنے والی رقم کا بیشتر حصہ اپنی تجوریوں میں رکھ کر امراء کی صف میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ملائیشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ مغربی سرمایہ دار ممالک ترقی پذیر ممالک کو اقتصادی امداد کے نام پر جو رقم دیتے ہیں اس سے زیادہ وہاں سے لے جاتے ہیں۔[15] نتیجہ یہ ہے کہ عالمی بنک جب قرض کو بطور ترغیب استعمال کرتا ہے اور ترقیاتی فنڈ کو روک کر بطور دباؤ کام میں لاتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ سربراہان مملکت اور اہم سرکاری وزارتوں کے نیم دلانا تعاون سے امریکی پالیسیاں ان کے ممالک میں لاگو کرنے کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ حاصل کرلے۔

عالمی تجارتی تنظیم WTO باقاعدہ طور پر یکم جنوری 1995ء کو لاطینی امریکہ میں قائم کی گئی۔ اس تنظیم کا مقصد ایسی آزاد سرمایہ کارانہ پالیسیوں کو فروغ دینا ہے جن کے ذریعے صنعتی ملکوں کے سرمایہ کار غریب ملکوں میں سرمایہ کاری کر کے اپنی کمائی ہوئی دولت واپس لے جاسکیں۔ یہ تنظیم دنیا کی ایسی امیر ترین بین الاقوامی کارپوریشنوں کی نمائندگی کرتی ہے جو عالمی دولت کے 80 فیصد حصے کی مالک ہیں۔[16] آزاد منڈی کی معیشت کا فلسفہ ہی وہ بنیاد ہے جس پر WTO کا عقوبت خانہ استوار ہے۔ درحقیقت آزاد منڈی امیر ملکوں کو غریب ممالک کے معاشی استحصال کی آزادی دینا ہے۔ عصر حاضر کے ایک عظیم اسلامی مفکر سید عظیم نے WTO پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے۔

> "یہ ایک ایسا باسی کھانا ہے (یعنی آزاد منڈی کا فلسفہ) جس کے سامراجی WTO ریسٹورنٹ میں عالمی بیرے اور امریکی سامراج نے نئے تڑکے لگا کر بڑے اہتمام سے پیش کیا ہے۔ مگر غریب اور کمزور ممالک ایک دو نوالے تو درکنار، اسے دیکھتے ہی قے کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"[17]

مذکورہ بالا تمام بحث کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ اور مغرب سمیت تمام سرمایہ دار ممالک نے ترقی پذیر ممالک کے معاشی استحصال اور قدرتی وسائل ہتھیانے کے لیے ایسے ظالمانہ اور پر فریب قسم کے بین الاقوامی ادارے قائم کیے ہیں جنہوں نے غریب ممالک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس پر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم اور معاشی

استحصال کے بعد اگر ترقی پذیر ممالک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی راہ میں مختلف حربوں سے روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا اداروں کی موجودگی میں کچھ عالمی سطح پر کام کرنے والی تنظیمیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں جنکے ذریعے دنیا پر حکمرانی کرنے کے نت نئے حربے آزمائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک فری میسن یہودیوں کی خفیہ عالمی تنظیم بھی ہے جس کا مقصد دنیا کے با اثر لوگوں کو مختلف ترغیبات کے ذیل میں شعوری اور لاشعوری طور پر یہودی منصوبوں کے مطابق ڈھالنا ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب کا حکمران اور اشرافیہ طبقہ تقریبا ان کے زیر اثر ہے۔[18] اس سلسلے میں سابق امریکی کا بیان قابل توجہ ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ میرا ایمان ہے کہ اسرائیل کی بقا کو لازمی بنانا امریکہ پر ایک لازمی امر ہے۔[19] یہی وجہ ہے کہ اسرائیل نے 1967ء میں اپنے سے زیادہ قدرتی وسائل رکھنے والے اور بھاری عددی اکثریت والے درجنوں اسلامی ممالک کے اہم علاقوں پر قبضہ کرلیا شام کی جولان پہاڑیوں، جزیرہ نما سینا اور غزہ سمیت کئی اہم علاقے جو تقریبا چار ہزار مربع میل بنتے ہیں صرف چار دن کی مختصر جنگ کے بعد عربوں سے چھین لیے۔[20] عصر حاضر میں یہودی سرمایہ دار اور ان کا ملک اسرائیل اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ عالمی کاروباری مراکز، عالمی بینک، امریکہ کا ریزرو بینک، عالمی کارپوریشنز اور بین الاقوامی تنظیمیں سب ان کے قبضے میں ہیں۔ دنیا کے تمام معدنی وسائل پر یہودی بلاواسطہ یا بالواسطہ کنٹرول رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہودی دنیا سے گولڈ اسٹینڈرڈ کا خاتمہ کر کے دنیا کا سونا اپنے پاس ذخیرہ کر چکے ہیں اور دنیا کو رنگ برنگی کاغذی کرنسی کے نوٹ دے رہے ہیں۔ اب تو کاغذی نوٹوں کی جگہ پلاسٹک کے کارڈز (کریڈٹ کارڈز) لائے جا چکے ہیں۔

دنیا کا خطرناک ترین اسلحہ اس وقت یہودیوں کے پاس ہے۔ خطرناک جراثیمی ہتھیار پر اس وقت تجربات جاری ہیں۔ دوسری جانب مخالف قوتوں کو غیر مسلح کرنے کے لیے یہودی سرگرم ہو چکے ہیں۔ افغانستان اور عراق پر امریکی حملے اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ نئے عالمی نظام کا اصل اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکہ اور یہودی اجارہ داری کو پوری دنیا پر مسلط کر دیا جائے مجوزہ عالمی حکومت کے ذریعے امریکی صیہونی اداروں کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ جس جگہ چاہیں اعلان جنگ کر کے اپنی فوجیں وہاں داخل کر سکیں گے۔ دنیا کا جو ملک عالمی نظام سے بغاوت اختیار کرے گا اس کا فیصلہ انہی امریکی اور صیہونی اداروں کے پاس ہو گا۔ اس وقت عالمی میڈیا پر عالمی برادری سے مراد یہودی اور اس کے حلیف قومیں مراد لی جاتی ہیں۔ یہود مخالف قوتوں کو عالمی برادری میں شمار نہیں کیا جاتا نیز عالمی امن اور عالمی سلامتی سے مراد ایسی دنیا لی جاتی ہے جہاں یہودیوں کے عالمی منصوبے (وسیع تر اسرائیل کا قیام

اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر) کو کوئی خطرہ نہ ہو۔[21] ایک امریکی مصنف کے بقول دوسروں کے معاملات میں مداخلت اور تباہ کن عالمی پالیسیاں امریکی حکومتوں کے جرائم کے ثبوت کیلئے کافی ہیں۔[22] سابق رکن امریکی کانگریس پال فنڈلے عالم اسلام پر امریکی ظلم وبربریت کا پردہ چاک کرتے ہوئے اپنی ایک مشہور تصنیف میں یوں رقمطراز ہے۔

"ایسا صرف امریکہ میں ہے کہ اسلام کو دہشت گردی سے غلط طور پر جوڑا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ یک رخا تصور ہماری سرحدوں کے باہر بھی پایا جاتا ہے تاہم حالیہ برسوں میں یہ تصور شدت کے ساتھ پروان چڑھا ہے۔ امریکہ میں اسلام کے حوالے سے پھیلے ہوئے غلط تصورات کسی حد تک عرب اسرائیل تنازعے کی وجہ سے بھی ہیں"۔[23]

اس وقت جو مسلم دنیا سیاسی اور معاشی طور پر انتشار کا شکار اور عسکری لحاظ سے نہایت کمزور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام چونکہ ایک تہذیبی اصول، ایک تحریک اور ایک متبادل قوت کی حیثیت سے ابھر رہا ہے اور یہ اپنے اندر ایک عالمی تہذیب بننے کی طاقت رکھتا ہے اس لیے اسے خطرہ بنا کر پیش کیا جارہا ہے تاکہ اسے حقیقی خطرہ بننے سے پہلے ختم کیا جاسکے۔ اس کے متعلق محمد حیاۃ ہیکل اپنی کتاب "حیاۃ محمد" میں لکھتے ہیں:

"پیروان مسیحیت پر اسلام اور مسلمانوں کی یہ ترقی شاق گزری جسکے نتیجے میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان شدید اختلافات کی خلیج حائل ہوگئی اور اس نے باقاعدہ ایک کشمکش کی صورت اختیار کرلی۔"[24]

تہذیبوں کا تصادم بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں سرمایہ دارانہ طاقتوں کا ایجاد کردہ ایک متنازع نظریہ ہے۔ تہذیبوں کے تصادم کو دھوکے سے عنوان بنایا گیا ہے اصل مقصد قوت کے توازن اور مسلم دنیا پر سیاسی، معاشی اور عسکری غلبہ اور تسلط کا حصول ہے، بلاشبہ سیکولرازم کا فروغ اس حکمت عملی کا حصہ ہے اور اس میں اسلام، مسلم امت اور ان کے تصور جہاد کو اصل رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب ایک تہذیبی قوت جسے معاشی، سیاسی، عسکری بالادستی حاصل ہو وہ یہ چاہے کہ اپنے نظام کو ساری دنیا پر بذریعہ قوت مسلط کر دے، دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگ کر انکی معیشت، سیاست اور ان کی معاشرت کو اپنے زنجیروں میں جکڑ لے تب تصادم پیدا ہوتا ہے۔ سیموئیل پی ہنٹنگٹن تہذیبی تصادم کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے کچھ یوں رقمطراز ہے،

"انسانوں کے درمیان واقع ہونے والی عظیم تقسیم اور نزاعات کا اہم سبب ثقافتی ہوگا۔ دنیا کے معاملات میں قومی مملکتیں بدستور سب سے طاقتور عامل کے طور پر موجود ہونگی لیکن عالمی

سیاسیات کے بنیادی مناقشے ان اقوام اور گروہوں کے درمیان برپا ہونگے جو تہذیبی لحظ سے
ایکدوسرے سے مختلف ہونگے۔ تہذیبوں کا ٹکراؤ عالمی سیاست پر چھاجائے گا"۔[25]

یہی وجہ ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور مغرب اس بات پر ہم خیال ہیں کہ مسلم ممالک کو جوہری طاقت کے حصول سے باز رکھاجائے جس کا واضح ثبوت عراق اور لیبیا کہ ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ ہے۔ ایران پر بھی مسلسل دباؤ ڈالا جارہا ہے جبکہ پاکستان پر جوہری پھیلاؤ کی ذمہ داری ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ امریکہ تاریخ کا سب سے بڑا جوہری پھیلاؤ کرنے والا ملک ہے جس کے ایٹمی ری ایکٹر پنسلونیا سے افزودہ شدہ یورینیم خفیہ طور پر اسرائیل پہنچایا گیا۔[26] اس وقت دنیا میں عالمی امن کے لیے صرف مسلم ممالک کو غیر مسلح کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے جبکہ امریکہ، بھارت، اسرائیل اور دیگر یہود نواز طاقتوں کا اپنے پاس مہلک ہتھیاروں کا ڈھیر لگانا عالمی سلامتی کے خلاف تصور نہیں کیا جاتا۔ پاکستان کے پڑوسی ملک بھارت کا روس سے طیارہ بردار بحری جہاز خریدنا، پولینڈ سے اسلحہ کا معاہدہ کرنا، امریکہ سے ایف۔ سولہ جنگی جہازوں کا معاہدہ کرنا، امریکہ اور اسرائیل کا بھارت کو پاکستان کا ایٹمی پروگرام جام کرنے والے آلات مہیا کرنا جبکہ پاکستان پر دفاعی بجٹ کم کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا عالمی طاقتوں کی مسلم کش پالیسیوں کو واضح کرتا ہے۔

جہاں تک سلامتی کونسل اور نام نہاد اقوامِ متحدہ کا تعلق ہے تو تمام حقیقت پسند ذرائع کا اتفاق ہے کہیہدونوں عالم اِسلام وعالمِ عرب کی تادیبکے لیے امریکہ کی کٹھپتلیہیں۔ امریکہاور مغرب اِندونوںکے ذریعے اسلامی کاز کو نقصان پہنچانے اور کمزور ممالک خصوصاً اسلامی ملکوں پر اپنیچودھراہٹ برقرار رکھنے اور تیلوالے خلیجیملکوں کی دولتوں کو چوسنے کاکام لیتاہے۔ اگر یہ دونوں اِدارے کسی وقت امریکہ کے ہمرائے نہیں ہوتے جیسا کہ عراق کے مسئلے میں ہوا تو امریکہ اِن کی پرواکیے بغیر وہی کرتا ہے جو وہ کرناچاہتاہے۔ جیسا کہ امریکہ نے CIA کے ذریعے 1953ء میں محمد رضا شاہ پہلوی کی حکومت مضبوط کرنے کے لیے ایران کے وزیر اعظم محمد مصدق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وزیر اعظم محمد مصدق کے ایرانی کمیونسٹ پارٹی سے تعلق کی وجہ سے امریکہ اور برطانیہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے۔[27] عالمی عدالت نے 1986ء میں نکاراگوا کے خلاف امریکی فوج کی مداخلت کی مذمت کی تو امریکی حکومت نے عالمی عدالت کی بھی مذمت کرڈالی۔ CTB[28] پر امریکہ نے ساری دنیا سے دستخط کروالیے لیکن نہ خود اس پر دستخط کیے اور نہ اسرائیل سے کروائے۔ ماحول کے تحفظ کے لیے Kyoto Protocol پر دنیا کے 125 ممالک نے دستخط کردیے لیکن 2001ء میں امریکہ نے اپنی معیشت کے متاثر ہونے کا بہانہ بناکر اس پر

دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ خطرناک ایٹمی اور صنعتی فضلے کو اپنے ملک سے باہر منتقل کرنے پر پابندی لگانے کے لیے مارچ1990ء میں Basel Convention ہوا دنیا کے 126 ممالک نے دستخط کر دیے لیکن امریکہ نے انکار کر دیا۔[29]

آج تمام مسلم ممالک IMF کے شکنجے میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ مسلم ممالک میں سے کوئی ملک بھی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا مستقل ممبر نہیں۔ مسلمانوں کے پاس یورپی یونین، آسیان، امریکہ، میکسیکو اور کنیڈا کے NAFTA کی طرز کا کوئی مؤثر تجارتی بلاک نہیں۔ کوئی بڑا مالیاتی ادارہ یا مواصلاتی مرکز جو بین الاقوامی معیار کا ہو موجود نہیں۔ امریکہ نے خلیجی جنگوں کے درمیان اور بعد مشرق وسطیٰ میں اپنے فوجی اڈے قائم کر لیے جو ابھی تک موجود ہیں۔ بحیرہ عرب اور خلیج فارس میں میں اسکے جنگی بحری بیڑے موجود ہیں۔ انڈونیشیا عالم اسلام کا ایک ایسا بڑا ملک ہے جو تقریبا 40 سال تک امریکہ کی خفیہ اور اعلانیہ سازشوں کا شکار رہا ہے۔[30] تنازع کشمیر، مسئلہ فلسطین، افغانستان اور عراق ایسے محاذ ہیں جہاں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام ہو رہا ہے۔ OIC کے کئی رکن ممالک ایسے ہیں جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ خفیہ یا اعلانیہ معاشی، سفارتی حتیٰ کہ فوجی روابط استوار کر لیے ہیں۔

گزشتہ تین چار صدیوں سے عالم اسلام کو انحطاط کا سامنا رہا۔ اس سیاسی و معاشی زوال میں مسلمانوں کا اپنا ہاتھ ہے۔ آپس میں بھائی چارے کا فقدان، علماء کی تنگ نظری اور دین سے دوری نے مسلم امہ کی پستی میں اہم کردار ادا کیا۔ فیض احمد شہابی اپنی تصنیف میں ایک جگہ مسلمانوں کی پستی کی وجہ اسلامی تعلیمات سے روگردانی بتاتے ہیں۔[31] یہ اسی بے اتفاقی اور بے دینی کا نتیجہ ہے کہ آج امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف ہونے والی جنگوں کا شکار اکثر مسلمان ممالک بھیبن چکے ہیں۔ عراق اور افغانستان پر ہونے والے امریکی حملے مشرق وسطی اور سنٹرل ایشیا میں قائم امریکی اڈوں سے ہوتے رہے۔ عالمی ممالک کے اکثر داخلی وخارجی فیصلے امریکہ میں ہوتے ہیں۔ عرب، اسرائیل مذاکرات امریکی چھتری کے سائے میں ہوتے ہیں۔ 150 کروڑ آبادی کے حامل 57 اسلامی ممالک کا درجہ امریکہ اور مغرب کے ہاں 67 لاکھ آبادی والے اسرائیل کے برابر بھی نہیں۔ مسلم امہ نے اگر ترقی کرنا ہے تو اس اندھی تابعداری سے جان چھڑوانا ہوگی۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں کو مغربی دانشوروں اور حکمرانوں کے اپنے متعلق خیالات کا علم ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب اسلام اور جدید معاشی نظریات کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"زمانہ قریب میں دنیا کی فکری امامت اور عملی تدبیر دونوں اہل مغرب کے ہاتھ میں رہی ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر تمدن، سیاست اور معیشت کے بارے مین ہمارے بیشتر مسائل اور ان مسائل میں ہماری الجھنیں ان حالات کی پیداوار ہیں جو مغربی طرز زندگی کے مؤجب ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی اسی امامت کا فطری نتیجہ ہے کہ ہمارے مدبرین کی اکثریت اپنے لیے ان مسائل کے حل کی انہی صورتوں میں رہنمائی تلاش کر رہی ہے جو مغربی مفکرین نے پیش کی ہے۔"[32]

جنوبی ایشیا کی سیاست کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس خطے کے تقریبا تمام مسائل کی بنیادی وجہ بھارت ہے۔ اس نے آجتک پاکستان کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے علاوہ پاکستان کے وجود کو دلی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ کشمیر میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہونے کے باوجود بھارتی ہندو گزشتہ پون صدی سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کو حق خود ارادی نہ دینے میں امریکہ، اسرائیل، روس اور مغربی ممالک کا تعاون بھارت کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے قیام پاکستان کے فوری بعد ہی مشرقی پاکستان میں اپنی سازشوں کا آغاز کر دیا تھا۔ پاکستان کا وجود مٹانے کے لیے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں ہونے والی جنگیں بھارتی جارحیت کا واضح منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بلوچستان کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازشیں اب سب کے سامنے عیاں ہیں۔ پاکستانی عسکری قیادت اور اعلیٰ حکومتی احکام بھارتی خفیہ تنظیم را کی پاکستان مخالف سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ بھارت خطے میں اپنی چودھراہٹ قائم کرنے پر تلا ہوا ہے جبکہ بھارت کی اندورنی حالت یہ ہے کہ اس کی ۴۰ فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے انتہائی پسماندہ زندگی گزار رہی ہے۔ پاکستان اور بھارت جنوبی ایشیا میں دو ایسے ممالک ہیں جن کے بہتر باہمی تعلقات اس خطے کی تقدیر بدلنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

معاصر ماہرینِ معیشت وسیاست کی ذمہ داری

اللہ تعالی نے انسان کو جس فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے، اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ تمدن کو چاہتا ہے اور پھر اس تمدن کو اپنے ارادہ و اختیار کے غلط استعمال سے بچانے کے لئے جلد یا بدیر اپنے اندر ایک نظم اجتماعی پیدا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں سیاست و حکومت، انسان کی اس خواہش اور مجبوری کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اور انسان جب تک انسان ہے وہ چاہتے ہوئے بھی اس سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، لہذا عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس دنیا میں حکومت کے بغیر کسی معاشرے اور تمدن کا خواب دیکھنے کے بجائے وہ

اپنے لئے ایک ایسا معاہدہ ئ عمرانی وجود میں لانے کی کوشش کرے جو نظم اجتماعی کا تزکیہ کر کے اس کے لئے ایک صالح حکومت کی بنیاد فراہم کر سکے۔

معیشت کی درستگی کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کی وساطت سے انسانیت کو دیا ہے، اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ یہ دنیا آزمائش کے لئے وضع کی گئی ہے۔ شارع نے اس کا نظام اس نے اس طرح قائم کیا ہے کہ یہاں سب لوگ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تہذیبی ترقی اور تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں انسانی زندگی ہمہ وقت تغیر و تبدل کی زد میں رہتی ہے۔ عرف و عادات سے لے کر سیاست و معیشت کے ڈھانچوں میں مسلسل تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ سائنس و طب سے لے کر تہذیب و معاشرت تک اور سیاست و ریاست سے لے کر اقتصاد و معیشت تک تمام گوشوں میں حیرت انگیز تبدیلیاں منصہ شہود پر آئی ہیں۔

مسلمانوں کے پاس بہترین نظام عدلِ اجتماعی ہونے کے باوجود بھی کی اقتصادی حالت بہتر نہیں ہے۔ اس کا عام فہم جواب یہ ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر معاشی نظام کی بنیاد ہی نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک میں معاشی نظام کی بنیاد سرمایہ دارانہ نظام پر اٹھائی گئی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ مسلمانوں کی پستی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی مغربی ممالک نے غور و فکر کے ساتھ اس کے بد اثرات سے اپنی عوام کو کسی حد تک بچایا ہوا ہے جبکہ مسلم ممالک میں سرمایہ داری کے بد اثرات عوام پر پڑ رہے ہیں اور وہ خستہ حالی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ معاشی نظام اور سیاسی نظام دونوں لازم و ملزوم ہیں، جب کسی ملک کا سیاسی نظام غلط بنیادوں پر استوار ہو گا تو وہاں معاشی نظام بھی اپنی بدترین صورت میں موجود ہو گا اور وہاں معاشرہ لازماً دو طبقات میں بٹا ہوا ہو گا۔ جب کوئی ملک طبقاتی تقسیم میں بٹ جاتا ہے تو اس کی تباہی اس کے دروازے پر دستک دے رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی معاشی خوشحالی کے لئے مندرجہ ذیل چار اصلاحات بالکل بنیادی نوعیت کی ہیں۔

- مسلمان اپنے ممالک میں جمہوریت و شورائیت پر مبنی نظام قائم کریں۔
- سرمایہ دارنہ نظام کی اصل بنیاد اور جڑ "جاگیر دارانہ نظام" کو ختم کیا جائے۔
- سرمایہ داری کے اثراتِ بد سے بچنے کے لئے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں "العفو" کے اصول پر عمل کیا جائے۔

- تقسیمِ دولت اور گردش زر کا بہترین ذریعہ "نظامِ زکاۃ" کو اس کی اصلی روح کے ساتھ معاشرے میں نافذ کیا جائے۔

جب تک کوئی ملک معاشی اعتبار سے مضبوط نہیں ہو گا وہ دفاعی لحاظ سے مضبوط نہیں ہو گا اور اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ لہذا مسلمانوں کی ترقی کے لئے یہ لازم ہو گیا ہے کہ عصر حاضر کے مسائل اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقاصد شریعت کے اصولوں پر اپنے معاشی نظام کی عمارت استوار کریں۔ سرمایہ دارانہ لادینی اور سیکولر نظام کے جو اثرات رونما ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں

- مستقل مزاجی، جرأت، صبر و حوصلہ اور سب سے بڑھ کر نیکی اور بدی میں تمیز کا مادہ ختم ہو گیا۔ مفاد، مصلحت بینی اور ابن الوقتی انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی بنیاد بن گئے۔ اس کے نتیجہ میں ہزاروں سماجی اور معاشرتی برائیاں رونما ہوئیں۔ جو معاشرہ کو سکون و اطمینان سے محروم کئے ہوئے ہیں۔
- انسانی تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر خالص مادی فائدہ پیش نظر ہو اور کوئی اعلی اخلاقی اور روحانی نظام موجود نہ ہو، تو محض مادی فائدہ بھی انسان کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔ محض دنیاوی راحت کو مقصدِ حیات بنالیا جائے تو اس میں فرد کی مادی خوشحالی اور دنیاوی سکون کا حصول بھی نا ممکن ہے، اگر سیکولرزم سے بلند و عرفہ کوئی روحانی مقصد سامنے رکھا جائے تو ایک ضمنی نتیجہ کی حیثیت سے انسان کو دنیاوی راحت اور قلبی سکون بھی حاصل ہو جاتا ہے۔
- سیکولرزم نے تشکیک اور ذہنی پراگندگی کو جنم دیا ہے۔ کوئی ایک نصب العین انسان کے سامنے نہیں رہا اور ایک قسم کی بے عقیدگی انسان میں پھیل گئی ہے، نتیجۃً سرمایہ دارانہ نظام نے پوری دینا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔
- سرمایہ دارانہ فکر کا نصب العین صرف ذاتی اغراض و خواہشات کی تکمیل رہ گیا اور قومی پیمانے پر مصلحت اور موقع پرستی نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ظلم سے بھر دیا اور کوئی مستقل ضابطہ اخلاق ملکی اور قومی زندگی کے لئے باقی نہ رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس صدی نے دو ایسی ہولناک عالمی جنگوں کا مشاہدہ کیا جن میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد انسانیت کی پوری تاریخ کی تمام جنگوں کے مجموعی مقتولین و مجروحین کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔

مسلمان مصائب کی شدت کے اس دور میں بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ اہل مغرب کی ترقی کا راز ان کے قانون اور ان کے نظام زندگی میں پنہاں ہے۔ چنانچہ وہ ان کی نقل کرتے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعی کرتے ہیں۔ مگر اہل مغرب کی اتباع سے ان کی گمراہی میں نہ صرف اضافہ ہی ہوا ہے بلکہ ان کا فساد کچھ بڑھ گیا ہے اور ان کا ضعف دوچند ہو گیا ہے۔ امت مسلمہ اختلافات کا شکار ہو کر ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی ہے اور ہر ٹولی اپنے کئے پر نازاں اور فرحاں ہے۔ مسلمان اپنی قوت آپس میں لڑ کر ضائع کر رہے ہیں، یہ بظاہر اکٹھے نظر آتے ہیں مگر ان کے دل پراگندگی اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس وقت مسلمانوں کی خیر و فلاح کا ارادہ فرمائیں گے اور مسلمان از سر نو یہ یقین کر لیں گے کہ شریعت اسلامیہ مکمل اور بے عیب ہے اور اس میں ہر دور اور ہر معاشرے کی ترقی و ارتقاع کے تمام وسائل موجود ہیں ان شاء اللہ تمکن فی الارض ان کا مقدر ہو گا۔ موجودہ دور میں احیائے اسلام اور امّت مسلمہ کی بیداری کی جو تحاریک شروع ہو چکی ہیں وہ ان شاء اللہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ پر منتج ہو نگی۔

خلاصہ بحث

مذکرہ بالا تصریحات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سرمایہ داری صرف ایک معاشی نظام نہیں بلکہ ایک طرز عمل اور طرز فکر کا نام ہے جو بنیادی طور پر اس خیال سے جنم لیتا ہے کہ سرمایہ دار اپنے سرمائے کو اپنی ذاتی صلاحیت، قابلیت اور علم کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ اپنے آپ کو اس کے صرف و استعمال کا مستحق قرار دیتا ہے۔ سرمایہ دار احساس برتری میں مبتلا ہو کر اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ اس کی دولت کی پیدائش میں معاشرے کے بہت سے دیگر عوامل کا تعاون بھی شامل ہے جس کا منصفانہ معاوضہ ادا کرنا اس کی اخلاقی اور انسانی ذمہ داری ہے۔ یوں اس سوچ کے ذریعے معاشرے کے کمزور طبقے کی معاشی استحصال کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سرمایہ دار ایک طرف تو اپنی معاشی برتری کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر مزید دولت پیدا کرنے میں لگ جاتا ہے۔ دوسری طرف کثرت مال کے نشے میں بیش قیمت مادی وسائل کو انسانی فلاح پر خرچ کرنے کی بجائے عیش و عشرت اور تکمیل خواہشات کی آگ میں جھونک دیتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام مادہ پرستی اور افادیت پسندی کی جن فکری بنیادوں پر قائم ہوتا ہے ان سے کبھی بھی پر سکون عادلانہ معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ مادہ پرستی کی کوکھ سے خود پرستی اور خود غرضی جنم لیتی ہے جو معاشرہ سے ہمدردی، اخوت اور خیر خواہی کے جذبات ختم کر کے باہمی کشمکش کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔ آزاد روی کی پیدا کردہ بے راہ روی معاشرتی انضباط کی اقدار کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں گردن توڑ مسابقت کو فروغ

مل جاتا ہے جس کی چکی میں معاشی طور پر کمزور افراد پس کر رہ جاتے ہیں۔ اجتماعیت پسندی افراد کو اجتماعی مفاد سے بے نیاز کر کے لذت پرستی کا اسیر بنا دیتی ہے۔ انسان اپنی ذات کے خول سے باہر دیکھنے اور سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے خود غرض اور خود پسند تشکیل پانے والا معاشرہ کثرت وسائل کے باوجود معاشی مشکلات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

آج جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ پوری دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے اس کے منفی پہلوؤں سے پوری دنیا شدید متاثر دکھائی دے رہی ہے۔ ان مشکلات میں سر فہرست عالمی سیاست ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا کے ممالک بے شمار مسائل کا شکار ہیں۔ موجودہ دور میں انسانی معاشرے میں بسنے والی قوموں اور ملکوں کے باہمی تعلقات، خارجہ پالیسیاں، بین الاقوامی امن معاہدے، کشمکش اور فسادات کی وجہ بننے والا بنیادی نقطہ معاشی مفادات اور معاشی سرگرمیوں کا تحفظ ہے۔ اگرچہ مالی مفادات کے تحفظ کے لئے صدیوں پہلے ہی سے انسانوں کے مابین فسادات ہوتے چلے آرہے ہیں لیکن عصر حاضر میں مادی دولت کا حصول ہمہ قسم کے تعلق، مذہب اور تہذیب سے بھاری ہو چکا ہے۔ دنیا اسی کے گرد گھوم رہی ہے اور موجودہ عالمی سطح پر پائی جانے والی ہر بدامنی اور بے چینی کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی مادی اور معاشی پہلو ہے۔

موجودہ عالمی سیاسی و معاشی حالات کے پیش نظر ایسی دوراندیش قیادت کی ضرورت ہے جو نہ صرف وطن پاکستان بلکہ امت مسلمہ کے حالات کو سمجھتے ہوئے ایسی پالیسیاں ترتیب دے جس سے دور حاضر کے معاشی اور معاشرتی مسائل کا خاتمہ ممکن ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام کو ترک کر کے خالص اسلامی معاشی نظام نافذ کیا جائے اور سرمایہ دار ممالک سے سودی قرض لینے کی بجائے اپنے اندر دستیاب وسائل میں جینے کا حوصلہ اور جرأت پیدا کی جائے۔ سماجی اور معاشی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لیا جائے جس کا ہدف صحیح تعلیم کا فروغ، علاج کی سہولتوں کی فراہمی، غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ اور روزگار کے مواقع کی فراہمی ہو اور ایسی معاشی اصلاحات نافذ کی جائیں جن کے ذریعے سود، قمار اور ہر طرح کے معاشی استحصال کا خاتمہ ہو، دولت کی تقسیم منصفانہ ہونے کے ساتھ ساتھ تمام انسانوں کو زندگی کی جائز ضروریات مل سکیں۔ ایک سلیم الفطرت اور عقل مند شخص کے لئے مسلمانوں کی تاریخ میں عبرت کا بہت بڑا سامان موجود ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلمان اقوام عالم میں سرفراز اور سرخرو ہو کر شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئے۔ مسلمانوں کی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی رفعت و ترقی اس بات پر موقوف ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔

حواشی وحوالہ جات

1 The New Encyclopedia Britannica, U.S.A. , 2007, 5th edition, vol: 2, P-832

2 The New Encyclopedia Britannica, volume 2 Encyclopedia Britannica, Inc, U.S.A., 1986, P-831

3 Webster's New World College Dictionary, P-208

4 Merit Student Encyclopedia Vol-4, P-181

5 The Social Science Encyclopedia, 2nd Edition, P-72

6 ابوالاعلیٰ مودودی، معاشیات اسلام، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، اگست 2013، ص42

Abū al-ʿAlā al-Mawdūdī, Mu'āshiyāt al-Islām, Islamic Publications, Lahore, Aug 2013, P. 42

7 ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، الغزالی پبلی کیشنز کراچی، مئی، 2009، ص12

Dr. Javed Akbar Anṣārī, Sarmāya Dārānā Nizām aik Tanqīdī Ja'iza, Al-Ghzālī Publications, Karachi, May 2009, P. 12

8 محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت، ج1، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1991ء، ص12

Muḥammad Nijātullah Ṣiddīqui, Islām ka Nazria Milkiat, Islāmic Pulications, Lahore, 1991, P. 12

9 ابوالاعلیٰ مودودیؒ، معاشیات اسلام، ص306

Abū al-ʿAlā al-Mawdūdī, Mu'āshiyāt al-Islām, P. 306

10 پروفیسر خورشید احمد، امریکہ مسلم دنیا کی بے اطمینانی، منشورات لاہور، 2003، ص154

Professor Khurshīd Ahmad, Amrīka Muslim Dunya kī by-Iṭ minānī, Manshūrāt, Lahore, 2003, P. 154

11 Samuel P. Huntington, Why International Primacy Matters, International Security, 17, No.4, Spring1990, P-68

12 P. S. Joshi, History of the United States of America, P-90

13 مہاتیر محمد، ایشیا کا مقدمہ اردو ترجمہ، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2005، ص102

Mahātīr Muḥammad, Asia ka Muqaddima, Urdu Translation, Jamhūrī Publications, Lahore, 2005, P. 102

14 ایضا

Ibid

15 ایضا، ص37

Ibid, P. 37

16 فیض احمد شہابی، عالمی تنظیمیں، نفیس اکیڈمی کراچی، ص13

Faiz Ahmad Shahābī, Ālmi Tanzīmayn, Nafīs Academy, Karachi, P. 13

17 لال داس بھگریت، WTO کیا ہے؟ اردو ترجمہ، (سید عظیم کا مضمون)، دار لشعور لاہور، ص7

Lāl Dās Bhigrīt, WTO Kiyā hai, Urdu Translation, (Syed Azīm ka Maḍmūn), Dār al-Shu'ūr, Lahore, P. 7

18 An Ancient, Wide Spread Secret Society, Longman, P. 516

19 Ronald Regan, An American Life, Chapter 57

20 ابو الاعلیٰ مودودی، امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل، ادارہ معارف اسلامی لاہور، 1998ء، ص136

Abū al-ʿAlā al-Mawdūdī, Ummat-e-Muslima kay Masā'il, Idāra Muārif al-Islāmī, Lahore, 1998, P. 136

21 ایضا، ص248

Ibid, P. 248

22 نوم چومسکی، Rogue States، اردو ترجمہ بدمعاش ریاستیں، یو پبلشرز لاہور، 2003، ص15

Noam Chomsky, Rogue States, Urdu Translation Badmu'āsh Riāsten, U Publishers, Lahore, 2003, P. 15

23 پال فنڈلے، امریکہ کی اسلام دشمنی، مترجم محمد احسن بٹ، نگارشات پبلشرز لاہور، 2003، ص256

Paul Fendley, America ki Islām Dushmanī, Translator Muhammad Ahsan Butt, Nigārshāt Publishers, Lahore, P. 256

24 محمد حسین ہیکل، حیات محمد، مکتبہ نہزۃ المیسیریہ، القاہرہ، 1974، ص2

Muḥammad Ḥusayn Haykal, Hayāt-e-Muhammad, Maktaba Nahzat-ul-Maisariah, Cairo, 1974, P. 2

25 Samuel P. Huntington, The Clash of Civilizations, Foreign Affairs New York, Vol 72, No.3 Summer 1993, P-22

26 انیس الرحمان، در پردہ حقائق، آفتاب پبلیکیشنز لاہور، ص118

Anīs al-Rahmān, Dar Pardah Haqā'iq, Āftāb Publications, Lahore, P. 118

27 ڈیوڈ وائز، تھامس رامسی، سی آئی کی سیاہ کاریاں، فکشن ہاؤس لاہور، ص164

David Vise, Thomas Ramsey, CIA ki Siyāh Kāriyān, Fiction House, Lahore, P. 164

28 چومسکی، نوم، Rogue States، اردو ترجمہ بدمعاش ریاستیں، ص20

Noam Chomsky, Rogue States, Urdu Translation Badmu'āsh Riāsten, P. 20

29 فیض احمد شہابی، استحصال اور جارحیت، نفیس اکیڈمی کراچی، ص12 تا13

Faiz Ahmad Shahābī, Istehṣāl awr Jāriḥiyat, Nafīs Academy, Karachi, P. 12-13

30 پال ٹوڈ، جوناتھن، گلوبل انٹیلی جنس، اردو ترجمہ، صبیح پبلیکیشنز لاہور، ص24

Paul Todd, Jonathan, Global Intelligence, Urdu Translation, Ṣabīh Publications, Lahore, P. 24

31 فیض احمد شہابی، مشرقی یورپ میں مسلمانوں کا عروج وزوال، ادارہ معارف الاسلامی، لاہور، 1991، ص12

Faiz Ahmad Shahābī, Europe men Musalmāno ka ‘Urūj-o-Zawāl, Idāra Mu’ārif al-Islāmī, Lahore, 1991, P. 12

32 ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، اکتوبر 1995، ص 7

Abū al-ʿAlā al-Mawdūdī, Islām awr Jadīd Mu’āshiyāt, Islamic Publications, Lahore, Oct 1995, P. 7